

شادی کی تیاری

امادے جیسلمیر کے راول لون کی بیٹی تھی 1586ء میں فرماں روائے کی گدی پر جلوہ افروز تھا، بیٹی کے پیدا ہونے سے پہلے تو دل ذرا شکستہ ہوا۔ مگر جب اس کے حسن و جمال کی خبر آئی تو آنسو بجھ گئے۔ چھوڑے ہی دنوں میں اس لڑکی کے حسن و جمال کی دھوم سارے راجپوتانہ میں مچ گئی سکھیاں سوچتی تھیں دیکھیں یہ نازنیں کس بھاگوان کو ملتی ہے۔ وہ اس کے آگے دیس دیس کے راجوں مہاراجوں کے اوصاف بیان کرتیں اور اس کے جی کی تھالیتیں، لیکن امادے اپنے حسن کے غرور میں کسی کو خیال میں نہ لاتی تھی اور صرف اوصاف ظاہری پر اسے ناز نہ تھا، وہ اپنے دل کی مضبوطی، حوصلہ کی بلندی اور فیاضی میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں۔ عادات سارے عالم سے پرانے تھے۔ چھوٹی موٹی کی طرح جہاں کسی نے انگلی دکھائی اور وہ کملائی۔ ماں کہتی بیٹی پرائے گھر جانا، تمہارا نباہ کیوں کر ہوگا۔ باپ کہتا بیٹا! چھوٹی چھوٹی باتوں پر براندہ ماننا چاہیے وہ اپنی دھن میں کسی کی نہ سنتی تھی۔ سب کا جواب اس کے پاس خاموشی تھا، کوئی کتنا ہی بھونکنے جب وہ کسی بات پر اڑ جاتی تو اڑی ہی رہتی تھی۔

آخر لڑکی شادی کرنے کے قابل ہوئی۔ رانی نے راول سے کہا کہ بے خبر کیسے بیٹھے ہو، لڑکی سیانی ہوئی، اس کے لیے برڈھونڈ و بیٹی کے ہاتھوں میں مہندی رچاؤ۔ راول نے جواب دیا ”جلدی کیا ہے، راجا لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے، آج کل شادی کے پیغام آیا چاہتے ہیں۔ اگر میں اپنی طرف سے کسی کے پاس پیغام بھیجوں گا تو اس کا مزاج آسمان پر چڑھ جائے گا۔“

مارواڑ کے بہادر راجہ مالدیو نے بھی امادے کے حسن جہاں سوز کا شہرہ سنا اور اس کا غائبانہ عاشق ہو گیا۔

اس نے راول سے کہا بھیجا کے مجھے اپنی فرزندى ميں قبلو فرمايے۔ ہمارے اور آہ کے درميان زمانہ قديم سے رشتے ہوتے چلے آئے ہيں، آج کوئي نئي بات نہيں۔

راول نے يہ پيغام پا کر دل ميں کہا، واہ! ميراسا راج تو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اب شادي کا پيغام ديتے ہيں مگر پھر سوچا کہ شير پنجرے ميں ہي پھنستا ہے، ايسا موقع پھر نہ ملے گا۔ ہرگز نہ چو کنا چايے۔ يہ سوچ کر راول نے سونے اور چاندی کے تاريل بھيچے۔ راؤ ملاديو جی بارات سجا کر جيسلمير بياہ کرنے آئے چيتا اور نپا جو اس کے سور ماسر دار تھے، اس کے دائيں بائيں چلتے تھے۔

راول نے اپني راني کو بلایا اور قلع کے جھروکے سے راؤ ملاديو کی سواری کو دکھا کر کہا کہ يہ وہی شخص ہے جس کے خوف سے نہ مجھے رات کو نيند آتی ہے اور نہ تجھے کل پڑتی ہے، يہ اب اسی دروازہ پر تو رہنا بندھے گا، جو اکثر اسی وقت کوف سے بند رہتا ہے، مگر دکھ! ميں بھی کيا کرتا ہوں اگر چو نری ميں سے بچ کر چلا گيا تو مجھے راول مت کہنا، بيٹی تو بيوہ ہو جائے گی، پر تيرے دل کا کانا جنم بھر کے ليے نکل جائے گا بلکہ راجپوتانہ کو امن و امان حاصل ہو جائے گا۔

راني يہ سن کر رونے لگی، راول نے ڈانٹ کر کہا ”چپ! رولنے لگی تو بات پھوٹ جائے گی پھر خيريت نہيں، يہ ظالم سبھی کو نوش کر جائے گا، دیکھ ذرا شادي کرنے آيا ہے مگر فوج کتنی ساتھ لایا ہے، گویا کسی سے لڑنے جا رہا ہے، اتنی فوج تو گھڑ سونسر کا سارا پانی ايک ہی دن ميں پی جائے گی، ہم تو اور سب شہر کے باشندے پيا سے مر جائیں گے۔“ راني کو بيٹی کے ودھوا ہو جانے کے خوف سے صدمہ تو بہت ہوا، مگر شوہر کی بات مان گئی اور چھاتی پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی، تاہم اس کی گھبراہٹ اور پریشانی چھپائے نہيں چھپتی تھی۔

بيٹی ماں کو گھبرائی دیکھ کر سمجھ گئی کہ وال ميں کچھ کالا ہے مگر کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی، بيٹی ذات اتنی ڈھٹائی کيسے کرتی۔ ماں کا رونا محبت کا رونا تھا۔ جب اس نے

ماں کا اضطراب ہر لمحہ بڑھتے ہوئے دیکھا تو راڑ گئی کہ آج سہاگ اور نڈاپا ساتھ ملنے والا ہے۔ جی میں بہت تڑپ، تلملانی مگر کلیجہ مسوس کر رہ گئی، کیا کرتی۔ ہمارے ہاں بیٹی بن سینگوں کی گائے ہے، ماں باپ اس کے رکھوالے ہیں مگر جب ماں باپ ہی اس کی جان کے گراہک ہو جائیں تو کون کس سے کہے۔

سکھی سہیلیاں پھولی پھولی پھرتی تھیں، راج محل میں شادیانے بج رہے تھے، چو طرفہ مسرت کے جلوے نظر آتے تھے، ادھر باراتیوں میں خوب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رقص و سرود کی محفل گرم تھی مگر افسوس کسی کو کیا معلوم کہ جس دلہن کیلئے یہ سب ہو رہا ہے، وہ اندر ہی اندر گھلی جا رہی ہے۔ سکھیاں اسے دلہن بنا رہی ہیں، کوئی اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچاتی ہے، کوئی موتیوں سے مانگ بھرتی ہے، کوئی چوٹی میں پھول گوندھتی ہے، کوئی آئینہ دکھا کر کہتی ہے، خوب بنی ہو پر یہ کوئی نہیں جانتا کہ بنی کی جان پر آہنی ہے۔ جوں جوں دن ڈھلتا ہے اس کے چہرے کا رنگ اڑتا جاتا ہے۔ سکھیاں اور ہی دھیان میں ہیں۔ یہاں بات ہی اور ہے۔

اومادے یکا یک سکھیوں کے جھرمٹ سے اٹھ گئی اور بھاریلی نام کی ایک گھڑ سہیلی کو اشارے سے الگ بلا کر کچھ بات کرنے لگی۔

بھاریلی روپ بدل کر چپکے سے راگھوجی جوتشی کے پاس گئی اور پوچھنے لگی کہ ”کیا آپ نے کسی کنواری کنیا کا مہورت نکالا ہے۔“ انہوں نے جواب دیا ”اور کسی کا تو نہیں۔ راول جی کی بانی کے بیاہ کا مہورت البتہ نکالا ہے۔“

بھاریلی: کیا آپ پھیروں کے وقت بھی جائیں گے؟
جوتشی: نہ جاؤں گا تو مہورت کی خبر کیسے ہوگی۔

بھاریلی: کیا اس شہر میں آپ اور بھی کہیں مہورت بناتے اور شادیاں کرواتے ہیں۔

جوتشی: سارے شہر میں میرے سوا اور ہے ہی کون۔ راجا پر جاسب مجھ ہی کو بلاتے

ہیں۔

بھاریلی: جوتشی جی ناراض نہ ہو جیے گا۔ جن لڑکیوں کی شادیاں آپ کرواتے ہیں وہ کتنی دیر سہاگن رہتی ہیں۔

جوتشی: (چونک کر) ہیں! یہ تو نے کیا کہا! کیا مجھ سے دل لگی کرتی ہے؟

بھاریلی: نہیں جوتشی جی، دل لگی تو نہیں کرتی، سچ مچ کہتی ہوں۔

جوتشی: ان باتوں کا جواب میرے پاس نہیں، تیرا مطلب جو کچھ ہو ساف صاف

بیان کرو۔

بھاریلی: کچھ نہیں، آپ اپنے مہورت کو ایک بار اور جانچ لیجیے۔

جوتشی: کچھ کہے گی بھی؟

بھاریلی: آپ اپنی ساعت پھر سے دیکھ لیجیے تو کہوں۔

جوتشی: چل دور ہو بوڑھوں سے کھیل نہیں کرتے۔

یہ کہہ کر جوتشی جی اندر چلے گئے، مگر پھر سوچ بچار کر ٹپی نکالی، ساعت کو خوب اچھی

طرح جانچا اور انگلیوں پر گن کر بولے۔ ”مہورت میں کوئی نقص نہیں ہے۔“

بھاریلی: (افسردگی سے) تو پھر قسمت ہی پھوٹی ہوگی۔

جوتشی: (بھوچک ہو کر) نہیں، میں نے جنم پر دیکھ کر مہورت نکالا تھا۔

بھاریلی: اجی کرم پتر بھی دیکھا ہے۔ تمہارے مہورت میں تو بانی جی کو دکھ بھوگنا

لکھا ہے۔

جوتشی: (تہہ کو پہنچ کر) تو کیا راول جی دغا فریب کرنے والے ہیں؟

بھاریلی: ہاں راول مال دیو کو یوں تو مارنے سے رہے، اب صلاح ہوئی ہے کہ شادی

کے وقت چوڑی میں انہیں مار ڈالیں۔

جوتشی: ارے رام! رام! رام! ایسے راجاؤں کو دھتکار ہے۔

بھاریلی: مہاراج! اس وقت ان باتوں کو تو رکھو! اگر رہائی کی کوئی تدبیر ہو تو بتاؤ۔

جوتشی: جب راول جی ہی کو بیٹی پر رحم نہیں آتا، تو میں غریب برہمن کیا کر سکتا ہوں۔

بھاریلی: انسان چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

جوتشی: تو ہی بتائیں کیا کرو؟

بھاریلی: اچھے جوتشی ہو راج درباری ہو کر مجھ سے پوچھتے ہو کہ میں کیا کروں۔

جوتشی: راج درباری ہونے سے کیا ہوتا، تو نے سنا نہیں۔ ”گورو گرو بدیا اور سر سر بدھ۔“

بھاریلی: تو پھر میری تو یہی صلاح ہے کہ راؤ مال دیو کو آگاہ کر دینا چاہیے۔

جوتشی: ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔

بھاریلی: تو کیا میں بائی جی سے کہہ دوں کہ تمہارا کام ہو گیا؟

جوتشی: جی ہاں۔

بھاریلی: اچھا میں جاتی ہوں۔

شادی

دن ڈھل گیا۔ بازار میں چھڑکاؤ ہو گیا۔ لوگ بارات دیکھنے کے لیے گھروں سے

ہی اٹھ چلے آتے ہیں۔

جوتشی نے دربار میں جا کر راول سے کہا۔ اب خیر مقدم کرنے کا وقت قریب آ گیا

ہے۔ اب سواری کی تیاری کا حکم دیجیے۔

راول: بہت اچھا، بارات والوں کو بھی اس کی خبر کر دو۔

جوتشی: ہاں خوب یاد آیا، ایک بات مجھے مارواڑ کے نجومیوں سے پوچھنی ہے۔

راول: وہ کیا۔

جوتشی: جنم پترے تو نہیں پر بولتے نام سے راؤ جی کو آج چوتھا چندرماں اور آٹھواں

سورج ہے۔

راول: تو تو اسے کیا۔ مہورت تو اپنے جسم پتر سے ہی نکالا ہے۔

جوتشی: مہاراج! پکارنے کے نام سے بھی گرہ دیکھے جاتے ہیں۔

چوتھا چندرماں اور آٹھواں سورج شخص ہوتا ہے۔ کوئی گرہ بارہواں نہیں ہے نہیں تو

--

راول: (جی میں) کیا اچھا ہوتا جو کوئی بارہواں گرہ بھی ہوتا تا کہ تینوں نجومیوں میں ایک

جا ہو جاتیں۔ (زور سے) مارواڑ بڑی سلطنت ہے۔ وہاں نجومیوں کی کمی نہیں ہے۔

انہوں نے ضرور سب باتوں کی احتیاط کر لی ہوگی۔ آپ کچھ نہ کہیے گا۔ نہیں تو انہیں

خواہ مخواہ شک ہو جائے گا۔

جوتشی: انہیں آگاہ کر دینا میرا فرض ہے۔ میں آپ کے خاندان کا خیر خواہ ہوں۔

میں ابھی جا کر ان سے کہتا ہوں کہ رو بلا کی کوئی تدبیر کیجیے۔

راول: کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

جوتشی: یہی خیرات وغیرہ۔

راول: یہ سب میں اپنی طرف سے کرادوں گا۔ ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

جوتشی: نہیں! یہ خیرات انہیں کی طرف سے ہونی چاہیے۔

راول: کیا میری طرف سے ہونے میں کچھ نقصان ہے؟

جوتشی: اپنی طرف سے تو تب دان کرایا جاتا ہے جب بانی جی کا ستارہ گردش میں

ہوتا۔

راول: آج بانی جی کا ستارہ کیسا ہے؟

جوتشی: نہایت مسعود و مبارک، پھر عورت کے ستاروں کا اچھا یا برا ہونا زیادہ تر اس

کے شوہر کے ستاروں پر منحصر ہے۔ اس لیے بانی جی کی بھی وہی گرہ سمجھنی چاہیے جو

راؤ جی کی ہے۔

راول: اچھا تو بارات میں ہو آئیے، دیر نہ کیجیے گا، یہاں بھی کام ہے۔

جوتشی: (چٹکی بجا کر) گیا اور آیا۔

راول سے حکم پا کر جوتشی جی خوش خوش وہاں سے چلے۔ راؤ مال دیوجی کو خبر ہوئی کہ جوتشی راگھوجی آتے ہیں۔ راؤ جی نے کہا۔ ”ان کا بڑی عزت سے استقبالیہ کرو۔ وہ بڑے نامی نجومی ہیں۔ وہ کیا ان کے بیٹے چندو جی بھی دے کر بیٹھ گئے۔ راؤ جی نے خیر و عافیت پوچھ کر کہا۔ ”آپ کیوں کر تشریف لائے ہیں؟“

جوتشی: (ادھر ادھر دیکھ کر) کچھ ساعت بلانی ہے۔

یہ سنتے ہی لوگ ہٹ گئے۔ جوتشی جی راؤ صاحب سے دو دو باتیں کر کے چل دیئے۔ راؤ جی کو بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ فوراً سرداروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔

اتنے میں نقاروں کی آواز آئی، چو طرفہ شور مچنے لگا کہ راول جی کی سواری آئی۔ تب راؤ جی بھی سر پر مور اور ماتھے پر سہرا باندھ کر اپنے ڈیرے سے نکلے اور گھوڑے کی پوجا کر کے اس پر سوار ہوئے۔ برات چڑھی۔ کچھ دور جا کر سب جلوس تھم گیا۔ فرش فرش تکیہ مسند لگا دیئے گئے۔ راول اور راؤ دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے اور گلے ملے۔ پھر نشان کا ہاتھ آگے کی طرف بڑھا اور اس کے ساتھ دونوں مہاراجے قلعے کی طرف چلے۔ دروازہ پر پہنچ کر راول جی تو اندر تشریف لے گئے اور راؤ جی تو رن باندھنے کی رسم ادا کر کے پیچھے پہنچے۔ محل سرا میں پھر دونوں مل کر باہم مسند پر متمکن ہوئے۔

راج محل میں شادی کی تیاری ہو گئی۔ ناظر راؤ جی کو بلانے آیا۔ راؤ جی کے ساتھ راول جی بھی اٹھے مگر راؤ کے سرداروں نے انہیں روکا کہ آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں۔ راول جی نے جھانسنے دے کر چاہا کہ یہاں سے چلاؤ جاؤں مگر کون جانے دیتا ہے۔ راؤ کے سرداروں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیچ میں بٹھالیا۔ اب تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ جاتے تھے راؤ کو مارنے اب اپنی ہی جان کے لالے پڑ گئے۔

ان کے سردار بھی سب سٹی پٹی بھول گئے۔ ادھر راؤ جی بے کھٹکے خراماں رنواس میں داخل ہو گئے۔

زمانی دہلیز میں پہنچتے ہی اومادے کی ماں نے راؤ جی کی آرتی اتاری۔ ان کے ماتھے پر دہی کا ٹیکہ لگایا اور جی میں کہا کہ ایسے ہی میرا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ بعد ازاں ناک کھینچ کر اپنا دوپٹہ ان کے گلے میں ڈال کر انہیں چوڑی میں لے آئی۔

برمن وید منتر بڑی خوش الحان سے پڑھنے لگے۔ آگ میں آہوتی پڑی۔ ہونے لگا۔ راؤ جی کا ہاتھ اومادے کے ہاتھ سے ملایا گیا۔ اومادے آگے ہوئی اور راؤ جی پیچھے پیچھے چلے۔ تین بار ہون کنڈ کا طواف کیا۔ تب عورتیں یہ گیت گانے لگیں۔

پہلے پھیرے بانی کا کاری بھتیجی

دو بے پھیرے بانی ماماری بھتیجی

تیسرے پھیرے بانی بوارے بھتیجی

چوتھے پھیرے میں راؤ جی آگے ہو گئے اور اومادے ان کے پیچھے چلنے لگی۔ تب عورتوں نے یہ پچھلا بند گا کر اپنا گیت پورا کیا۔

چوتھے پھرے بانی ہوئی رے پرانی

گیت سنتے ہی ماں اور بہنوں کے دل بھر آئے۔ نکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے کہ اب پیاری اومادے پرانی ہو گئی۔ اس طرح یہ شادی بیساکھ سدھی 1593ء شب کو بحسن تمام انجام پائی۔

رنگ برنگ میں بھنگ

شادی ہونے کے بعد لڑکی اپنے محل میں چلی گئی۔ بڑی بوڑھی عورتیں ادھر ادھر کھسک گئیں۔ بہو کی سہیلیاں راؤ جی کو اس کے محل کی طرف لے چلیں۔ راستہ میں ایک جگہ گانا ہو رہا تھا۔ کتنی ہی حوروش، مہ پارانا زینیں سہاگ کے گیت گانا لاپ رہی تھیں۔ راؤ جی چلتے چلتے وہاں پھسل پڑے۔ عورتوں کے گانے اور روپ رنگ نے

ان پر جادو کر دیا۔ وہیں ڈٹ گئے۔ خواصیں دوڑیں۔ ایک نے چاندی، دوسرے نے سوزنی اور تیسری نے تیکے لگا دیئے۔ پانچ ساتھ سکھیوں نے مل کر چھوٹا سا شا میانہ کھڑا کر دیا۔ راؤ جی لٹو ہو گئے۔ پھر کیا تھا وہیں بیٹھ گئے۔ دو خواصیں دائیں بائیں مورچھل لے کر کھڑی ہو گئیں۔ دو چنور ہلانے اور ہٹکا جھٹلنے لگیں، گرمیوں کی سہانی رات۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور راؤ جی اس پرستان میں اندر بنے پریوں سے چہل اور چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے، گانیں چپ تھیں اور سامنے کچھ فاصلے پر ناپنے والیاں بنی ٹھنی کھڑی اشارے منتظر تھیں۔

کلول کرنے والیوں میں ایک نازنین نے آگے بڑھ کر راؤ جی کو سلام کیا اور زنی سے کچھ ہٹ کر بیٹھی اور گانے والیوں کو اشارہ کیا کہ ہاں کچھ چھیڑو۔ کھڑی منہ کیاتکتی ہو۔

بس طبلے پر تھاپ پڑی اور گانے والیاں اونچے اور بیٹھے سروں میں گانے لگیں۔

پھر لا! اے گھڑ کالی

پیون والوں لاکھوں رو

اس نازنین نے جو چند رجوت کے نام سے مشہور تھی اپنے کے ہت پیالے میں لال شراب بھر کر ہنستے ہوئے راؤ جی کے سامنے پیش کی۔ انھوں نے بڑی شوق سے لے کر شراب پی اور پیالہ اشرفیوں سے بھر کر لوٹا دیا۔ چند رجوتی نے اٹھ اٹھ کر سلام کیے اور اپنے گلے کے چند ہار توڑ کر اس کے موتی راؤ جی پر سے نثار کر کے گانے والیوں کی طرف پھینکنے لگی، گانیں سوڑھ کے سروں میں گانے لگیں۔

(1) دیسوں میں برج، بنوں میں چند، پہاڑوں میں سیر، چڑیوں میں مور اور قلعوں

میں لکا سب کا سرتاج ہے۔ ویسے ہی شاہی خاندانوں میں راٹھور کا خاندان سب سے اعلیٰ ہے۔ چند رجوتی نے پھر پیالہ بھر کر راؤ جی کو دیا اور گانیں گانے لگیں۔

(2) شراب پیو اور لڑنے کو چڑھو آنکھیں لال رکھ جس سے تمہارے دشمن جل
میں اور دوست خوش ہوں۔“

(3) شراب ہی دلی آگرہ ہے اور شراب ہی بیکانیر ”اے صاحب! شراب تو نوش
کیجیے اس کا ایک ایک دو سو سو روپے کا ہے۔“

(4) شعروں میں دو ہرہ سفید کپڑا۔ نازنین عورت اور کمیت گھوڑا اچھے ہوتے
ہیں۔ اے نازنین! شراب لا اس گانے بجانے اور زاہد فریب عورتوں کو لبھانے ر
جھانے نے راؤ جی کا دل چھین لیا اس پر طائفہ کا باہم آواز ملا کرتا لگانا اور بھی ستم
ڈھا گیا۔ راؤ جی ایسے از خود رفتہ اور بادہ نشاٹ میں ایسے مخمور ہوئے کہ اپنی نئی نویلی
دلہن کو بھول گئے۔ جوان کے انتظار میں آغوش ناز کھولے کھڑی تھی۔

راؤ جی کی راہ دیکھتے دیکھتے اومادے کی نشیلی آنکھیں جھپکے لگیں۔ کتنی ہی بانیاں
ان کو بلانے کے لیے گئیں۔ پر راؤ جی پر یوں کے جمگھٹ سے نہ اٹھ سکے۔ یہاں
تک کہ رات بہت کم باقی رہ گئی ہے۔

رانی نے جب دیکھا کہ وہ اور کسی کے بلانے سے نہیں آتے ہیں تو اپنی شوخ
وشنک سہیلی بھاریلی سے کہا کہ اب راؤ جی کو لانا تیرا ہی کام ہے۔ اس نے کہا کہ
راؤ جی اس وقت آپے میں نہیں ہیں۔ مجھے نہ بھپے، مگر اومادے نے نہ مانا اور اسی کو
بھیجا۔

ادھر محفل عروسی بھی آراستہ تھی۔ گانیں تیار بیٹھی تھیں۔ شراب کی بوتلیں چنی ہوئی
تھیں۔ گزک طشتریوں میں دھری ہوئی تھی۔ صرف رجبہ کے آنے کی دیر تھی۔ رانی کو
یقین ہو گیا کہ بھاریلی گئی ہے تو رجبہ کو ضروری کھینچ لائے گی۔ گانے والیوں کو اشارہ
کیا کہ کچھ چھیڑو اور وہ بیٹھے سروں میں گانے لگیں۔

(1) مہاراج محلوں میں تشریف لے چلیے۔ اب شراب کا مزہ اڑانے والے محلوں
میں چل میں بہت دیر سے بیچ پر تیری نظار میں بے تاب ہو رہی ہوں۔

موقع محل کے مطابق گیت سن کر اومادے مسکرائی اور پھر لجا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس وقت اس کے نشہ شباب سے مست دل کی جو کیفیت ہو رہی تھی، بیان نہیں کی جاسکتی۔ خواصین، سہیلیاں دم دم پر دوڑائی جاتی تھیں کہ دیکھ! راجہ جی آتو نہیں رہے ہیں۔ معشوق انتظار میں بے چین ہو رہا تھا، گانے والیوں نے گیت کا دوسرا بند گایا۔

متھرا پنگل۔ پریاگ۔ مارواڑ۔ لاہور۔ غزنی۔ دیر اور۔ بھٹیز اور جیسلمیر یہ سب دیس بھاٹیوں کے ہیں اے مہاراج محلوں میں تشریف لے چلیے۔
اب سہیلیوں نے اومادے پر سے کچھ اثر فیاں نثار کر کے گانوں کو دیں اور انھوں نے خوش ہو کر یہ دوسرا گیت شروع کیا۔

”اے میرے راؤ! شباب کے مزے لوٹے۔ رات تاروں سے، تیج پھولوں سے اور جونیں جوش مستی سے بھری ہوئی ہے۔ پیارے جلد آ کر سکھ لوٹو۔“
اتنے میں ایک خواص نے کہا کہ وہاں راؤ جی نشہ میں چور پتھے ہیں اور شیشہ و جام کے نغمے الپے جارہے ہیں۔ یہ سن کر گانے والیوں نے یہاں بھی گیت شروع کر دیا۔ صرف مصرعے بدل دیئے۔

اے گھڑا ساقن انگوری شراب بھرا۔ سونے کی بھٹی اور چاندی کا بیکا بتاؤں رانی اپنے ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑی کہتی ہے۔ راج کما تم پیو۔“
آمتوں کے ساتھ پھلتا ہے اور مہوا اپنے پتے کھو کر اس کا رس سا جن پیتا ہے۔ پھر اسے لاج کیوں کرائے۔“

”مخلو میں پکار پڑی ہے، اور اے بیٹے راج کما تم کو آنے کی فرصت نہیں۔“
ادھر چنچل، شوخ باریلی کچھ اس انداز سے اٹھاتی، لچکتی بل کھاتی راؤ جی کے پاس پہنچی کہ وہ جوانی اور شراب کی مستی میں اسی کو رانی سمجھ کر اسکے ساتھ چل دیئے۔ بھاریلی نے بھی انہیں وہاں سے ہٹالے جانا ہی مناسب سمجھا، مگر وہ چلبلی طبیعت کی

نازنین تھی۔ راؤ کی نظر اپنے اوپر بے ڈھب پڑتے دیکھ کر لپکا گئی یہ نہ کہا، بندی رانی نہیں، بندی ہی ہے، بلکہ راؤ جی کو مغالطے میں ڈال کر اپنے گھر لے گئی۔ رانی اومادے نے جب یہ سنا تو سنائے میں آگئی اور اس کی گائیں گانے لگیں۔

”بھرا اے گھڑ کلائی۔ انگوری شراب لا۔ پہلے تو کلائی اس کی آشنا تھی پر اب تو اس عالی جاہ کی گھر والی ہو گئی ہے۔“

”جیسا میر دلیس میں جب بجلیاں چمکتی ہیں وہ اوپر ہی اوپر چلی جاتی ہیں۔ ایسے ہی پردیسی ساجن سے ملنے کا یقین نہیں ہوتا۔“

”بھیڑ لی تو تھی ان کے لیے پر اب وہ بندھی ہوئی کپاس چرتی ہے۔ لونڈی جہیز میں دی گئی تھی۔ اب وہ پیاسے مل ہی گئی تھی۔“

اومادے کا عشرت کدہ راؤ جی کی اس بے اعتنائی سے سرد پڑ گیا۔ اس کے چڑھتی ہوئی جوانی نہیں معلوم دل میں کیا کیا امنگیں جوش مار رہی تھی۔ کیا کیا حوصلے پیدا ہو رہے تھے۔ اس نے شوہر کے خیر مقدم کی کیا کیا تیاریاں نہ کی تھیں۔ شیشہ و جام، ساز و سرو، بناؤ چناؤ میں کوئی دقیقہ فرو گراشت نہ کیا تھا مگر افسوس سب سامان دھرا رہ گیا وہ جھلا کر اٹھی۔ گانے والیوں سے کہا تم لوگ جاؤ۔ صراحی اور جام اٹھا کر پلک دینے۔ وہ تھاں جو آرتی کے لیے اس نے بڑے تکلف سے سجایا تھا اور جو زریں چراغوں سے جگمگا رہا تھا اس نے اوندھا دیا اور غم و غصہ کے عالم میں پلنگ پر منہ لپیٹ کر سو رہی۔ محل میں سناٹا چھا گیا۔ اس وقت جو خیالات اسکے دل میں پیدا ہوتے تھے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اگر راؤ مال دیویوں نے بہک جاتے تو اب تک یہی کمرہ رشک جنت بنا ہوتا۔ منے ناب کے دور چلتے ہوتے۔ سریلے راگوں سے کمرہ گونجتا ہوتا اور عاشق و معشوق باہمی دیدار کے مزے لوٹتے ہوتے۔ مگر یہ باتیں اب کہاں!!

سویرا ہوا۔ راؤ جی کا نشہ اتر ا۔ جس نازنین کو رانی سمجھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھا تو

پانی کا گھڑا اور سہانگی کے محل شاہی کی طرف جارہی ہے۔ سمجھ گئے بڑا دھوکہ ہوا۔ اسی وقت شرماتے ہوئے محل میں گئے۔ وہاں کا سناٹا محل کی ویرانی اور رانی کی سرد مہری دیکھ کر جی بیٹھ گیا بولے۔

”اے بڑے رتبہ والی نازنین اوماد یوی! ضد میں آ کر کیوں اپنے عاشق سے روٹھی سیج پر بیٹھی ہوئی ہے۔“

راؤ جی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی پر منہ سے کچھ نہ بولی۔

کمان ابرو کو کھینچ کر اس میں تیر مٹر گان کا نشانہ لگائے ہوئے ہاتھ مروڑے منہ موڑے نازنین غصہ سے بھری بیٹھی ہے۔

خواسیں دو ردو رچپ کھڑی تھیں۔ بھاریلی کا مارے خوف کے لہو سوکھا جاتا تھا۔ پر گانے والیاں بند نہ ہوئی۔ وہ گانے لگیں۔

اے شراب میں مست مہاراج

تمہیں شراب کس نے پلائی

راؤ جی نے بہت کہا کہ میں نشہ میں تھا۔ اس سوجہ سے ایسی حرکت سرزد ہوئی مگر رانی نے ایک نہ سنی۔ گانے والیوں نے بھی راؤ کے اشارے سے بہت سے منانے کے گیت گائے مگر رانی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس جھیلے میں دن بہت چڑھ آیا۔ آخر کار راؤ جی یہ سوچ کر کہ پھر منالیں گے محل سے باہر نکل آئے۔ اسی وقت ان کے سردار بھی راول جی کے پاس سے اٹھے۔

راؤ جی نے پھر محل کے اندر جا کر اپنی جان خطرے میں ڈالنا مناسب نہ جانا۔ باہر ہی سے رخصتی کی درخواست کی۔ راول جی بھی یہی چاہتے تھے کہ بھید نہ کھلے۔ چپ چاپ تے بدائی ہو جائے۔

اومادے راؤ جی کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوتی تھی۔ راگھو جی جیوتشی نے سنا تو اس سے کہا کہ کل تمہیں راؤ جی کی جان پیاری تھی۔ کیا آج وہ پیار جاتا رہا؟ ان کی

جان ابھی تک خطرے میں ہے اور اس وقت روٹھنے کا موقع نہیں ہے۔

یہ سن کر رانی نرم ہوئی۔ ہندو راجہ کی لڑکی تھی اور ہندو دھرم کی ماننے والی جو عورتوں کی شوہر کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے۔ ماں کے پاس گئی۔ کچھ دیر سکھیوں کے گئے مل روتی رہی۔ پھر دو گھنٹ پانی پیا اور چپ چاپ سکھ پال میں بیٹھ گئی۔

راؤ جی کے کہنے سے اوماد پوی نے بھاریلی کو بھی الگ الگ رتھ میں بٹھالیا۔ گویا اپنی تباہی کو اپنے ساتھ لے چلی۔ جوتشی جی بھی پہنچانے کے بہانے سے ساتھ ہو گئے۔ ان کے بیٹے چندو جی پہلے سے راؤ کے لشکر میں آگئے تھے، کیوں کہ ان دونوں کے خوف تھا، مبادا راول جی پیچھے سے ان کی سرکوبی کریں، کیونکہ ان دونوں کو خوف تھا، مبادا راول جی پیچھے سے ان کی سرکوبی کریں، کیونکہ راول کو شبہ ہو گیا تھا کہ انہی دونوں کی سازش سے شکار ہاتھ سے گیا۔

رانی کی ہٹ

رانی اومادے اپنی ضد پر قائم رہی۔ راؤ جی سے نہ بولتی ہے، نہ انہیں اپنے پاس بیٹھنے دیتی ہے۔ راؤ جی آتے ہیں تو وہ ان کے بڑے ادب سے تعظیم کرتی ہے۔ مگر پھر الگ جا بیٹھتی ہے۔ اس کے معشوقانہ آواز اور شکل و شبہات نے راؤ جی کو بہت فریفتہ کر لیا ہے۔ وہ بہت چاہتے ہیں کہ کچھ نہ ہو تو وہ ذرا ہنس کر بول ہی دے مگر رانی ان کو بالکل خاطر میں نہیں لاتی۔ علی ہذا وہ بھاریلی سے بھی کھچی رہتی ہے۔ بھاریلی اپنے معمولی کام کیے جاتی ہے اور آنکھ بچا کر راؤ جی سے ہنس بول بھی لیتی تھی۔

راؤ جی سمجھتے تھے کہ بھاریلی ہی نے میری جان بچائی۔ وہ ان سے کہتی کہ آپ ہی کی بدولت یہ میری ناقدری ہو رہی ہے۔ اب میری لاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ نے من میلا کیا تو میں میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ راگھو جی جوتشی نے بھی کہا کہ اگر بھاریلی مجھ سے بھید نہ بتاتی تو جو خدمت میں نے آپ کی ہے، وہ ہرگز نہ کر سکتا۔

راؤ جی اتنا تو جانتے تھے کہ راول جی کی بری نیت کی خبر مجھے جوتشی جی نے دی اور جوتشی جی کو بھاریلی سے اس کا پتہ لگا مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ بھاریلی سے کہنے والا کون تھا۔ اس کا حال تو جب معلوم ہوتا کہ رانی اومادے اپنے منہ سے کچھ کہتی۔ مگر وہ تو بھاریلی، راؤ جی اور جوتشی سبھوں سے ایسی بیزار ہو رہی تھی کہ زبان ہی نہ کھلتی تھی۔ اس کا دھرم کہتا کہ تیرایوں روٹھے رہنا زبیا نہیں مگر اس کا دل نہیں مانتا تھا۔ وہ جب طبیعت کو دبا کر کچھ بات چیت کرنے نیت کرتی تو کوئی زبان پکڑ لیتا۔ بے چاری اپنے دل سے لاچار تھی۔

بھاریلی اومادے کی اس خاموشی سے ڈرتی رہتی ہے کہ کہیں مجھ پر برس نہ پڑیں۔ ایک دن دل کڑا کر کے وہ اس کے پیروں پر گر پڑی اور گڑ گڑا کر کہنے لگی کہ ”بائی جی آپ جو چاہیں خیال فرمائیں آپ کو اختیار ہے۔ مگر میں نے تو اس وقت بھی آپ کی بھلائی ہی کی تھی جب آپ نے مجھے راؤ جی کو لینے کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ محل سے باہر نکلتے ہی مجھے شبہ ہو کہ کوئی شخص زنا نے بھیس میں راؤ جی پر تاک لگائے ہوئے ہے۔ اس لیے میں نے انہیں آپ کے محل میں لانا خطرے سے خالی نہ سمجھا اور اپنے گھر لو اگئی۔ راؤ جی نشہ میں متاوا لے ہو رہے تھے۔ رات بھر سوتے رہے اور میں کٹار لیے کھڑی رہی جب ان کی نیند کھلی اور وہ اپنے ہوش میں آئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اگر اس میں کچھ میری خطا ہو تو معاف کریں۔“ اومادے نے یہ سب باتیں سب تو لیں، پر منہ سے کچھ نہ بولی۔ بھاریلی کھسیانی ہو کر چلی گئی۔

بارات جو دھ پور پہنچ گئی۔ دیوان اور وزیر بڑی دھوم دھام سے استقبال کو آئے۔ کوسوں تک فوج اور تماشاخیوں کا تاننا لگ گیا۔ قلعہ میں پہنچتے ہی زمان خانے کی طرف سے باجوں کے ساتھ پھول چٹوں سے سجا ہوا ایک کلسا آیا۔ راؤ جی اس میں اشرفیاں ڈال کر اندر چلے گئے۔ ان کی ماں رانی پدما جی نے بیٹے اور بہوپر سے اشرفیاں نچھا

ورکیں۔ بیٹے اور بہو نے ان کے پیر چومے۔ اندر جا کر دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی گئی اور اومادے ایک آراستہ پیرا ستہ محل میں اتاری گئی۔

راؤ جی کے اور بھی کئی رانیاں تھیں اور ان کی بال بچے بھی تھے۔ پٹ رانی (خاص محل) آمبیر کے راجہ بھیم کی صاحبزادی لائٹھل دئی تھی۔ راؤ جی کا فرزند اکبر رام اسی رانی سے پیدا ہوا تھا۔ جھالے کی رانی سروپ دئی سب رانیوں میں حسین تھی۔ اس نے راؤ جی کا مزاج بالکل اپنے قابو میں رکھا تھا مگر جب سے اس کو معتبر خبر ملی تھی کہ اومادے مجھ سے حسن میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہے تب سے اس کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ ڈرتی تھی کہ کہیں راجہ صاحب مجھے نظروں سے گرا کر اسی کے بس میں نہ ہو جائیں۔ لیکن جب آج اس نے سنا کہ وہ پہلے ہی شب کو روٹھ گئیں اور یہاں آکر بھی وہی کشیدگی ہے۔ تب اس کی جان میں جان آئی۔

ماں سے رخصت ہو کر راؤ جی جھال رانی سروپ دئی کے محل میں تشریف لے گئے۔ اس نے بڑی خوشی دوڑ کر راؤ جی کے قدم چھوئے اور اپنا موتیوں کا بیش بہا ہار توڑ کر ان پر موتی نثار کیے۔ وہ اومادے کی کشیدگی اور جھلے پن سے بہت بیزار اور رنجیدہ ہو رہے تھے۔ رانی سروپ دئی کی اس گرما گرمی اور جوش تپاک سے بہت مسرور ہوئے اور اسے شادی کا سب حال سننے لگے۔ رانی نے سب سن کر عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو ایک دن میں بھی بٹھانی جی سے مل آؤں۔

راؤ جی: بٹھانی کیا ہے، ایک بھانا (پتھر) ہے۔“

سروپ دئی: (ہنس کر) ”واہ! آپ نے بڑی عزت کی بھانا کیوں ہونے لگیں؟ بٹھانی ہیں۔“

راؤ جی: ”ہاں! بٹھانی تو ہے مگر پتھر کی بنی ہے۔ غرور کی سچی مورت۔“

سروپ دئی: ”ایشور نے حسن دیا ہے، تو غرور کیوں نہ کریں۔ کیا آپ کو یہ بات کبھی نہ بھائی؟“

راؤ جی: ”آخر غرور کی بھی کوئی حد ہے۔“

سروپ دئی: ”بھلا جو ایک بڑے گھر کی بیٹی ہو ایک بڑے راؤ کی رانی ہو نئی نویلی دلہن ہو، نو جوان حسین ہو۔ اس کے گھمنڈ کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ مجھ جیسے غریب گھر کی کیا گھمنڈ کرے گی؟“

راؤ جی: ”یہ سب تم نے ٹھیک کہا مگر اس کا مزاج واقعی بہت سخت اور دکھا ہے۔ تم اس سے مل کر خوش نہ ہو گی۔“

سروپ دئی: اچھا تو آپ تشریف لے چلیے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔“

راؤ جی: (ہنس کر) ٹھیک ہے! تمہارے ساتھ چل کر اپنی بے عزتی کرواؤں۔
سروپ دئی: (گرم ہو کر) وہ کیا اس کا باپ بھی آپ کی بے عزتی نہیں کر سکتا۔
راؤ جی: عورت چاہے تو شوہر کی بہت کچھ توہین کر سکتی ہے۔
سروپ دئی: ”جب آپ اتنی سی بات میں اپنی بے عزتی سمجھیں گے تو اس کا گھمنڈ کیوں کر نہجے گا اور کون نبھائے گا؟“
راؤ جی: ”ہاں! یہی دیکھنا ہے۔“

امادے اور اس کی سونکینیں

رانی سروپ دئی نے سب رانیوں سے کہا بھیجا کے بھٹانی سے ملنے کے لیے تیاری کیجیے۔ دوسرے دن سب رانیا بن ٹھن کر بڑے ٹھسے سے اومادے نے اٹھ کر رانی لاچھل دئی کو سب سے اوپر اٹھایا اور زیادہ تر اسی سے بات چیت کی۔ باقی سب رانیوں سے معمولی طور پر ملی اور بہت کم بولی۔ اس لیے وہ دل میں بہت گڑبڑائیں اور اس کی شکل و شبہات کو دیکھ کر تو ان کے دلوں پر داغ پڑ گئے۔

لوٹنے پر لاچھل دئی تو اپنے محل میں چلی گئی۔ باقی رانیاں سروپ دئی کے محل میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگیں اور بہت دماغ خرچ کرنے کے بعد یہ رائے طے پائی کہ

اومادے تو روٹھی ہی ہے۔ راؤ جی کو بھی جوڑ تو لگا کر اس سے خفا کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس کے محل میں جانا بالکل ترک کر دیں کیونکہ اگر کبھی اس نے ہنس کر راؤ جی کی طرف دیکھ لیا تو وہ اسی کے ہو جائیں گے۔ اتنے میں راؤ جی آگئے اور پوچھا۔ ”کہو بھٹانی جی کیسی ہیں؟“

سروپ دئی: ”ہیں تو بہت اچھی پر الھڑ پچھیری ہیں۔“

راؤ جی: ”تب تو دولتیاں بھی جھاڑتی ہوں گی۔“

سروپ دئی: ”ہمیں اس سے کیا جو پاس جائے وہ لات کھائے۔“

راؤ جی: ”سو بات کی ایک بات تو یہی ہے۔“

تب راؤ جی نے دوسری رانیوں سے بھی رائے پوچھی۔ رانی پاربتی نے کہا۔ ”مہراج وہ بڑی گھمنڈن ہیں۔ اپنے برابر ہمیں کیا مارجی کو بھی نہیں سمجھتیں۔“

جھالی رانی ہیرا دئی نے فرمایا۔ ”مہراج کچھ پوچھئے۔ اپنے سوا وہ سب کو جانور سمجھتی ہیں۔“

آہڑی رانی لاچھو دئی بولیں۔ ”میں تو جا کر بہت پچھتائی۔ اس کی ماں ایسی ضدی چھو کری نہ جانے کہاں سے لائی۔ اس کی آنکھوں میں نہ لاج ہے نہ بات چیت میں لوچ، میں تو آپ کو اس کے پاس نہ جانے دوں گی۔“

سوگری رانی لاڈا نے کہا۔ ”وہ تو مارے گھمنڈ کے مری جاتی ہے۔ نہ آئے کی عزت نہ گئے کی خاطر۔ ایسی مہارانی کے پاس کوئی جا کر کیا کرے۔“

چوہانی رانی اندر بولیں ”مہاراج میں نے بہت عورتیں دیکھیں ایک سے ایک سندر، مگر ایسا پھر ہوا مزاج کسی کا نہ دیکھا نہ جانے اس کے گورے بدن میں کون سا بھوت سا گیا ہے۔“

رانی راج بھائی نے فرمایا۔ ”گوری چٹی ہے تو کیا۔ لچھن تو دو کوڑی کے بھی نہیں۔ بڑے گھر آگئی نہیں تو سارا گھمنڈ دھرار ہوتا۔“

جھالی رانی نورنگ دئی بولیں ”جوانی کے نشے میں دیوانی ہو رہی ہے۔ یہ نہیں جانتی جوانی تو سب پر آتی ہے۔ کچھ اسی پر نہیں ہے کل جوانی جاتی رہے گی تو یہ سب دماغ خاک میں مل جائے گا۔“

یہ سب زہریلی باتیں سن سن کر راؤ جی کو بھی غصہ آ گیا۔ انہوں نے اومادے کے یہاں آنا جانا کم کر دیا۔ کبھی جاتے بھی تو اسے ایک نگاہ دیکھ کر چلے آتے۔ اومادے بھی صرف ان کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتی، کچھ بات چیت نہ کرتی۔

راؤ جی کے دو اور بھائی رانیاں تھیں۔ ان سے وہ اومادے کی نسبت کچھ گفتگو نہ کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انہیں اومادے کی شکایت ناگوار گزرے گی۔ وہ بھی راؤ جی سے کچھ نہ کہتیں، پر جی میں یہی چاہتی تھیں کہ اگر ان کا اومادے سے ماپ ہو جاتا تو بھی اچھا ہوتا۔ ایک دن موقع ڈھونڈ کر انہوں نے کچھواہی رانی لاچھل دئی سے کہا کہ اومادے نا دانی سے اپنے پیر میں آپ کلباڑی مار رہی ہے۔ ابھی کم سن ہے۔ سوتنوں کے داؤ پیچ کو کیا جانے۔ اگر یہی کیفیت رہی تو بے چاری کو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ آپ دیکھتی ہیں کہ اب راؤ جی بھی ان کے یہاں کم جاتے ہیں مگر اس کی اکڑ بھی تک جوں کی توں ہے۔ راؤ جی ایسی مہری نہ کرنی چاہئے۔ وہ تو ابھی اٹھ رہی ہے۔ اگر نادانی کرے تو قابل معافی ہے۔ مگر راؤ جی غفلت ہو کر کیوں اس سے روٹھتے ہیں؟

لاچھل دئی بہت نیک بخت اور دور رس عورت تھیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں راؤ جی سے اس کا تذکرہ کروں گی۔ پس ایک دن شام کے وقت وہ راؤ جی کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور ادھر ادھر کی بات چیت کرتے کرتے پوچھا۔ ”آپ نے نئی رانی کے پاس آنا جانا کیوں کم کر دیا؟“

راؤ جی: ”میں تو برابر آتا جاتا تھا اگر اسی نے روٹھ کر مزا کر کر دیا۔“

رانی لاچھل: ”وہ روٹھی کیوں مجھے اس کا بھید اب تک نہ کھلا۔“

راؤ جی: ”بھاریلی کی بدولت“

لاچھل: ”پھر آپ بھاریلی کو کیوں اتنا منہ لگاتے ہیں۔ وہ او مادے کے برابر کی نہیں۔“

راؤ جی: ”اس میں میری کیا خطا ہے۔ او مادے ہی نے اسے میرے پاس بھیجا تھا۔“

لاچھل: ”ٹھیک ہے۔ مگر چاہے کہ بھاریلی، بھاریلی کہ جگہ رہ اور او ما، او ما کی جگہ۔“
راؤ جی: ”میں بھی تو یہی چاہتا ہوں، پر او ما نہیں مانتی۔ اس کے جی کا کچھ حال ہی نہیں کھلتا کہ آخر اس کا منشا کیا ہے۔ تم ذرا پیٹہ تو لگاؤ۔“
لاچھل: ”بہت اچھا کوئی موقع آنے دیجیے۔“

رانی لاچھل: دنی نے یہ سب باتیں او ما سے کہیں، اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ہاں او ما کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی ایک عورت ایسی ہے، جو میرے دکھ کو سمجھ سکتی ہے۔ اب سے وہ اکثر لاچھل سے ملاقات کر کے اس سیدل بہاؤتے اور اسے چچی بانی۔ اس کے لڑکے مار رام کو بھی بہت پیار کرتے تھے۔

منانے کی کوشش

دوسرے سال راؤ مال دیو نے اپنی سلطنت میں دورہ کرنا شروع کیا اور گھومتے ہوئے امیر جا پنچے۔ وہاں کچھ دنوں تک قلع میں ان کا قیام رہا جو کسی زمانے میں بیل دیو اور پر تھی راج جیسے پرتاپی مہاراجوں کے تحت زرنگار سے مزین ہوتا تھا۔ راؤ جی کو اس قلعہ پر حکمران ہونے کا بہت ناز تھا۔ ایک روز اترا کر اپنی چوہانی رانیوں سے کہنے لگے۔ راٹھور بھلا چوہان کسی راٹھور کی زبان سے ایسی بات سن کر کیوں کر ضبط کر سکتا تھا۔ دونوں خاندانوں میں اگرچہ شادی بیاہ ہوتا تھا مگر وہ پرانی رقابت دلوں سے صاف نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ میاں بیوی میں بھی بسا اوقات ترش کلامی کی نوبت آ جاتی تھی۔